السنۃ والحدیث

قومی خواہشات نہ کثرت

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا تَحْتَ ظِلِّ السَّمَآءِ مِنْ اِلٰہٍ یُّعْبَدُ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ ھَوًی مُّتَّبَعٍ (الترغیب والترھیب للمنذری طبع ھند بحوالہ طبرانی وابن ابی عاصم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اللہ کے نزدیک آسمان کے نیچے، خواہش نفس جیسے پیر سے بڑھ کر ایسا اور کوئی "معبود" نہیں ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو۔

اس حدیث کے سمجھنے کے لیے دورِ حاضر سے بڑھ کر شاید ہی کبھی اور کوئی سازگار فضا پیدا ہوئی ہو۔ علم و دانش کے عہد سے پہلے جو دور رہا ہے، اسے "دورِ بے دانش" یا زیادہ سے زیادہ دورِ حیوانی کہا جا سکے گا، کیونکہ وہ "بے خبری کا" دور تھا، ایسے عالم میں انسان عموماً ویسے ہی زندگی گزارتا ہے، جیسے ایک جانور گزارتا ہے، لیکن ایسا دور جو علم و ہوش کا دور کہلاتا ہو جو تمام اعمال اور احساسات کا ایک پس منظر، اور ایک فلسفہ رکھتا ہو، جس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ایک آئین اور دستور کے تابع ہو، اس دور میں، جب قومی خواہشات کو ایک آئینی اور قانونی حیثیت حاصل ہو قومی امنگوں اور حیوانی دلچسپیوں کی اساس پر پوری مملکت کی عمارت کھڑی کی جاتی ہو تو دراصل وہی دور اس حدیث کے مفہوم تک زیادہ رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک، جمہوری نظام کے گن گائے جا رہے ہیں اور جمہوریت کی یہ تعریف کی جا رہی ہے کہ جو قومی امنگوں اور خواہشات کے احترام پر مبنی ہو اسے جمہوریت کہتے ہیں ——— یہی وہ مقام ہے جہاں ایک فطری سادگی "عبادت" کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اس لیے اب اگر یہ کہا جائے کہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا معبود "نفس اور اس کی خواہشات" ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

ہمارے نزدیک دورِ حاضر کا موجودہ جمہوری نظام قومی اور قومی نمائندوں اور اس کی خواہش نفس کے محور پر گھوم رہا ہے، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اس دور کا "معبودِ اعظم" اس کا ہیمی نفس، ہیمی میلانات اور نفسانی خواہشات ہیں تو یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہوگی۔

نفسانی خواہش اسے کہتے ہیں جو "بے خدا" ہو، اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جہاں شعوری طور پر لوگ احساسِ خدا سے ہمکنار ہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آئین، قانون اور سیاسیات میں، خدا کی مرضی اور اس کے رسول کے اسوۂ حسنہ کو ملحوظ رکھا ہے، وہاں بھی ان کے دعوے کاغذی فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ اب بھی عموماً وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے "نفس امارہ" کا حکم ہوتا ہے ۔۔۔ ان کے دعوے اور عمل کے اس تضاد نے "نفسانی خواہش" کے "معبودِ اعظم" ہونے کو اور واضح کر کے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ نفس کا یہ دیوتا اس آسمان کے نیچے واقعی سب سے زیادہ طاقت ور بھی ہے ۔۔۔ کیونکہ نوعِ انسان کی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

انفرادی زندگی میں "بے خدا خواہشِ نفس" معصیت، اجتماعی زندگی میں "بے خدا سیاست" اور مذہبی حلقوں میں یہ "بدعت" کہلاتی ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی اخاف علی امتی من ثلاث من زلۃ عالم و من ھوًی متبع و من حکم جائر

(رواہ البزار والطبرانی)

اپنی امت کے بارے میں مجھے تین چیزوں کا اندیشہ ہے (۱) عالم کی لغزش کا (۲) خواہشِ نفس کی تبعداری کا (۳) اور تیسرا ظالم فیصلہ کرنے والے کا۔

بدعت ۔ (بے خدا مگر جاذب خواہش نفس) دراصل نفس کی مرغوب غذا ہے، لیکن ضمیر کی خلش سے نجات پانے کے لیے ایسے مذہبی حلقوں کو روحانی فریب کی آمیزش کے سہارے بھی مہیا کر دیے جاتے ہیں، اس لیے یہ بدعت (بے خدا خواہشِ نفس) یہاں پر فریب خوردہ مذہبی دنیا کو "سنت" سے بھی زیادہ عزیز بلکہ عزیز از جان ہو جاتی ہے، چنانچہ جہاں یہ ڈیرے ڈال لیتی ہے وہاں سے "سنت مطہرہ" اٹھ جاتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ

(رواہ احمد والبزار)

ہمارے نزدیک اصلی اور مہلک بدعات میں سے ایک بدعت سیاسی بھی ہے جسے "سیاست بازنہ"

اختیار کر کے ملک اور قوم کے نام پر گوارا بنا لیتے ہیں ـــــ بالکل اسی طرح جس طرح مذہبی لوگوں کا حال ہے۔ شورائیہ ۔ یہی حال "شوریٰ" اور "کثرت رائے" کا ہے ۔ کہ سربراہِ مملکت "مشورہ" لینے کا پابند تو ضرور ہے لیکن اہل شوریٰ کے مشورے کے ساتھ بندھ نہیں جاتا ، وہ اکثر ہوں یا اقل یا مساوی ۔ کیونکہ اس سے غرض "وضوح" ہے باندھنا نہیں ہے ۔

غزوۂ بدر میں بدری قیدیوں کے بارے میں حضورؐ نے صحابہ کی شورائیہ بلائی ، کہ وہ اب آپ کے قابو میں آگئے ہیں ، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے؟ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ ان کو تہِ تیغ کر دیا جائے ، آپ نے سن کر اس سے منہ پھیر لیا ۔ پھر آپ نے مکرر پوچھا ، پھر حضرت عمرؓ نے یہی مطالبہ کیا ۔ پھر حضرت ابو بکرؓ بولے کہ ان سے فدیہ لے کر معاف کر دیا جائے ۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر پہلے ہی سے اللہ کا یہ قانون نہ ہوتا تو زرِ فدیہ لینے پر تم پر عذاب آ جاتا :

قال الامام احمد : حدثنا علی بن ھاشم عن حمید عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال استشار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس فی الاساری یوم بدر فقال ان اللہ قد امکنکم منھم فقام عمر بن الخطاب فقال یا رسول اللہ اضرب اعناقھم فاعرض عنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم اعاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا ایھا الناس ان اللہ قد امکنکم منھم انما ھم اخوانکم بالامس فقام عمر فقال یا رسول اللہ اضرب اعناقھم فاعرض عنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال للناس مثل ذٰلک فقام ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال یا رسول اللہ نری ان تعفو عنھم وان تقبل منھم الفداء قال فذھب عن وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان فیہ من الغم فعفا عنھم وقبل منھم الفداء قال فانزل اللہ عزوجل : لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ع ۹) (تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۵ جلد دوم)

اس روایت سے یہ باتیں ثابت ہوئیں کہ :

۱ ۔ غیر منصوص امور میں مشورہ کرنا ضروری ہے ۔ (استشار النبی صلعم الناس)

۲ ۔ دوسرا یہ کہ : مشورہ لینے والے ، مشورہ کو رد بھی کر سکتے ہیں ۔ (فاعرض عنہ)

۳ ۔ تیسرا یہ کہ مزید وضاحت کے لیے مکرر سہ کرر بات کو دہرا سکتے ہیں (ثم اعاد)

۴ ۔ چوتھا یہ کہ : اگر مناسب سمجھا جائے تو مشورہ کو بعینہٖ قبول بھی کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ اصل غرض مشورہ لینے والے کا اطمینان ہے ، نہ ہو تو رد کر سکتا ہے ، جیسے حضرت عمرؓ کا کیا ، اگر اطمینان ہو جائے تو قبول بھی کر سکتا ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ کا کیا ۔ (فعفا عنھم)

اس سے اکثر بھی ہوں تو بھی یہی کیفیت ہے : امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضور کے اس مشورہ کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بھی بولے تھے ، انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ : آگ جلا کر ان کو جلا ڈالا جائے لیکن حضورؐ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی ، اس پر آراء مختلف ہو گئیں ، کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ہمنوا ہو گئے ، کچھ حضرت عمرؓ کے اور کچھ عبداللہؓ بن رواحہ کے ـــــ موخرالذکر دو توان کو ختم کرنے کے درپے تھے صرف ختم کرنے کی کیفیت میں اختلاف رہا ۔ تاہم ان کو معاف کرنے کے حق میں نہیں تھے ، مگر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول پر عمل فرمایا ۔

وقال الاعمش عن عمرو بن مرة عن ابی عبیدة عن عبداللہ قال لما کان یوم بدر قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : ما تقولون فی ھؤلاء الاساری ؟ فقال ابوبکر یا رسول اللہ قومك واھلك استبقھم واستبتھم لعل اللہ یتوب علیھم وقال عمر یا رسول اللہ کذبوك واخرجوك فقدمھم فاضرب اعناقھم وقال عبداللہ بن رواحة یا رسول اللہ : انت فی واد کثیر الحطب فاضرم الوادی علیھم نارا ثم القھم فیہ قال فسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یرد علیھم شیئًا ثم قام فدخل فقال ناس یاخذ بقول ابی بکر وقال ناس یاخذ بقول عمر وقال ناس یاخذ بقول عبداللہ بن رواحة الحدیث (قال ابن کثیر ص۳۲۵/۲ رواہ الامام احمد والترمذی من حدیث ابی معاویة عن الاعمش بہ والحاکم فی مستدرکہ وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ دونوں گروپوں کی کثیر تعداد کے مشورہ کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنے اطمینان کے بموجب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کو اختیار فرمایا ۔ اس کے معنی ہیں کہ سربراہِ مملکت ایسا کر سکتا ہے : قرآن حکیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ فرمایا کہ : ان سے مشورہ کیجیے جب کسی نتیجہ پر آپ پہنچ جائیں تو پھر کر گزریئے ۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران ع)

" یعنی ان سے مشورہ لیتے رہیے (لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو (پھر) اللہ پر بھروسہ رکھیے ۔ "

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گرفتار ہو کر آتے ہیں ، انصار ان کو قتل کرنے کے حق میں ہیں ، حضرت عمرؓ بھی ان کے ہمنوا ہیں مگر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورے پر عمل کیا ۔

اسرہ رجل من الانصار قال واوعدتہ الانصار ان یقتلوہ فبلغ ذلك النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انی لم انم اللیلة من اجل عمی العباس وقد زعمت الانصار انھم قاتلوہ فقال لہ عمر افاٰتیھم فقال نعم قال عمر الانصار فقال لھم

ارسلوا العباس فقال لا واللہ لا نرسلہ فقال لہم عمر فان کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضیٰ قالوا فان کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضیٰ فخذہ فاخذہ عمر ...

قال واستشار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابا بکر فیہم فقال ابو بکر عشیرتک فارسلہم فاستشار عمر فقال اقتلہم ففاداہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۲ وقال، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)

مقصد یہ ہے کہ "شورائیہ" سربراہ مملکت کو باندھنے کے لیے تجویز نہیں کی گئی بلکہ اس سے تعاون کرنے کے لیے تشخیص کی گئی ہے تاکہ وہ مل کر صورتِ حال کا جائزہ لیں، پیش آمدہ مسئلہ پر روشنی ڈالیں یہاں تک کہ صدر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہو جائے، اس کے بعد وہ آزاد ہے، چاہے تو اکثریت کی بات پر عمل کرلے چاہے تو قلیت کی بات پر کرے ——— باقی رہی اس کو "اکثریت" کے پلے میں باندھنے کی پالیسی؟ سو ہمارے نزدیک یہ اسلامی روح کے خلاف ہے، اسلام دلائل، حقانیت، اور صداقت کی اہمیت پر زور دیتا ہے، بندوں کی آراء کو تولنے کی بات سمجھتا ہے، اس کو گننے کی بات نہیں کرتا۔ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ورنہ حق، حق نہ رہے بلکہ اکثریت ہی حق بن جائے۔ ایسی صورت میں "نزولِ وحی" کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ یہ کام تو ویسے بھی چلتا رہتا ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ آیت تریدون عرض الدنیا سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثریت کا نظریہ ہی "فدیہ لینے کا تھا اور اکثریت کے مطابق ہی فیصلہ ہوا مگر یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ الزام اور تہدید صرف اس بنا پر وارد ہوئی ہے کہ:

فیصلہ کی بنا "فدیہ" کا نظریہ تھی، وہ تھوڑے تھے یا بہت؟ اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ اکثریت کا حق پر ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے ان پر عتاب نازل ہوا۔ فہو المراد! ہاں اس صورت میں اور جو بات سامنے آتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ اس سلسلے میں خطاء اجتہادی پر سزا اور گناہ معاف ہے۔

ارکانِ شورائیہ۔ ائمہ دین نے ان ارکان اور حضرات کی صفات بھی متعین کر دی ہیں جن سے مشورہ لینا مفید اور مناسب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں، ان میں یہ پانچ خوبیاں اور محاسن ضرور پائے جائیں۔

صاحبِ تجربہ۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ پختہ عمر اور تجربہ کار ہوں۔

احدھا عقل کامل مع تجربۃ سالفۃ (ادب الدنیا والدین ص ۲۷۳)

کمسن اور خام لوگ مشورہ کے اہل نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ، مگر موجودہ دورِ حکومت میں اس شرط کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس لیے اسمبلی اور اداروں میں ایسے لوگ بھرتی ہو جاتے ہیں جو تماشائی تو ثابت ہو سکتے ہیں مفید مشورہ کے قابل عموماً کم ہوتے ہیں۔

دیندار اور متقی ہوں۔ دوسری صفت ان میں یہ ہو کہ وہ بازاری اور بے دین نہ ہوں، اہلِ دین اور متقی ہوں، کیونکہ ان کو جو سوچنا اور سجھانا ہے، وہ انہی پاکیزہ اقدار کی روشنی میں سوچنا اور سجھانا ہے، اصلاح اور نجاح و فلاح کا انحصار انہی پر ہے۔

والخصلة الثانية: ان يكون ذا دين وتقى فان ذالك عماد كل صلاح وباب كل نجاح ومن غلب عليه الدين فهو مامون السريرة موفق العزيمة (ادب الدنيا والدين للماوردی ص۲۷۳)

یہ ایک ایسی صفت ہے جو دنیا کی کسی بھی پارلیمنٹ اور شورائیہ کے لیے ضروری نہیں تصور کی جاتی، وہ دورِ حاضر کے مسلمان ملک ہوں یا غیر مسلم، یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایک حیوان کی حیثیت سے تو شاید کہیں ترقی کی ہو لیکن بحیثیت ایک مسلم اور ملت اسلامیہ، شاید و باید ــــ دنیا کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔

ملی جذبات سے سرشار ہوں۔ تیسری یہ بات ان کے لیے ضروری ہے کہ انہیں مسلم اور ملت اسلامیہ سے مخلصانہ محبت ہو اور وہ سوز کے حامل ہوں، خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہوں۔

والخصلة الثالثة: ان يكون ناصحا ودودا فان النصح والمودة يصدقان الفكر ويمحضان الرأی (ادب الدنيا والدين ص۲۷۴)

افسوس! یہ در نایاب، بالکل نایاب ہے، قوم کو اس کا احساس ہے نہ اربابِ حل و عقد کو، یہاں خدمت کے جذبہ سے شاید ہی کوئی آتا ہو، جو آتا ہے صرف اس لیے آتا ہے کہ وہ مخدوم بنے اور شاہزادگی کرے یعنی قوم کا کاروبار کرنے کو آتا ہے۔

نجی غم سے مغلوب نہ ہو۔ گھریلو اور نجی ہموم اور غم و اندوہ سے اس درجہ مغلوب نہ ہو کہ وہاں بھی اسے اپنی ہی بپتا یاد رہے کیونکہ ایسے آدمی سے بے داغ رہنمائی کا حصول مشکل ہوتا ہے۔

والخصلة الرابعة: ان يكون سليم الفكر من هم قاطع وغم شاغل فان عارضت فكره شوائب الهموم لا يسلم له رأی ولا يستقيم له خاطر (ادب الدنيا والدين ص۲۷۴)

اس سے مراد ایسا شخص ہے جو دائمی طور پر اس ابتلاء کی نذر ہو گیا ہو۔ باقی رہا وقتی معاملہ، سو

یہ ممنوع نہیں، کیونکہ اس سے بالکلیہ محفوظ بہر حال ابن آدم نہیں ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان حالات میں ان کو مشورہ دینے سے مستثنیٰ ہی رکھا جائے۔ اور ان کا ووٹ بھی شمار نہ کیا جائے۔

متعلقہ امر سے ان کی غرض وابستہ نہ ہو۔ پانچویں یہ بات ہے کہ ایسے آدمی کے مستصواب الرائے سے پرہیز کیا جائے، جس سے اس کی اپنی نجی غرض اور سیاسی حاجت وابستہ ہو۔ کیونکہ اب ایسے انسان کی رائے اور مشورہ مخدوش ہو جاتا ہے۔

والخصلة الخامسة: ان لا یکون لہ فی الامر المستشار غرض یتابعہ ولا هوی یساعدہ فان الاغراض جاذبة والهوی صاد والرای اذا عارضہ الهوی وجاذبتہ الاغراض فسد۔

(ادب الدنیا والدین للماوردی ص ۲۷۴)

اس کے معنی ہیں پارلیمنٹ میں ایسے ٹولے یا افراد کا ووٹ شرعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا، جس سے ان کی اپنی کوئی سیاسی اور نجی غرض وابستہ ہو، اس لیے اسمبلیوں میں عموماً جو توں میں جہاں دال بٹتی ہے وہاں سپیکر کے لیے یہ معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس ہاؤس میں کس کا ووٹ شمار ہونا چاہیے اور کس کا نہیں ہے۔ مگر افسوس! سپیکر بھی اس سیٹ کی بھیک ہی مانگ کر آتا ہے۔ اس کی کیا مجال کہ وہ اس کی نشاندہی کرے۔ جان سے امان پائے اور خوفِ خدا کی بھی اس میں کچھ رمق موجود ہو تو پھر ممکن ہے کہ وہ کچھ ٹوں ٹاں کر پائے ورنہ ؎

این خیال است و محال است و جنون

اسلامی شورائیہ کے ارکان کے یہ وہ خصائص ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا گو ضروری ہوتا ہے مگر اب ان سے زیادہ غیر ضروری بات بھی اور کوئی نہیں رہی۔ فالی اللہ المشتکی۔

یہ صفات جیسے انفرادی معاملات کیلیے ضروری ہیں ویسے اجتماعی نظام میں بھی اہم اور ضروری ہیں۔

ہر گھر میں مقبول کتابیں

انوار التوحید بڑا سائز	۱۳/۵۰	شانِ رب العلمین	۲/۲۵	عالمِ عقبیٰ	۱۲/-
ساقیٔ کوثر	۱/۵۰	محمد بن عبدالوہابؒ	۱۲/-	بستان الربعین	۱/۵۰
تہذیب النسوان	۱۶/۵۰	نمازِ جنازہ	۱/۵۰	انوار الزکوٰۃ	۵/۲۵
اسلامی خطبات	۳۱/۰۰				

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

نعمانی کتب خانہ۔ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور